جامعات کے طلبہ کے عقائد و نظریات کی اصلاح کیلئے مکی دور کے اسلوب دعوت کو اپنانے کی ضرورت واہمیت

(منہج اور متوقع نتائج)

Importance and need to adopt the Makki era way of Da'wa of the Holy Prophet in order to improve beliefs of University students (Way and expectative results)

Muhammad Bilal Ibrahim Barbari
Lecturer, Islamabad Model College, Islamabad.

ABSTRACT
There is gape in students of Islamic Institutes and Institutes of higher education in the world. The students of Islamic Universities well aware about Islam and its teachings. They have strong beliefs in it. While the students of higher educational institutes other than Islamic have no idea and have no enough knowledge about Islam and its beliefs. There is dire need for reconciliation in this regard. This research paper tries to explore Importance and need to adopt the way of Da'wa of the Holy Prophet in Makki era in order to improve the beliefs of University students. Way and expectative results.

Keywords: Lack of belief in Islam at higher educational institutes, Islamic Beliefs, Islamic knowledge in universities.

کم علمی یا کم فہمی یا کج فہمی پر مبنی دینی تعبیرات اور متضاد بیانیوں (Narratives) کی بناپر، عصر حاضر میں ملت اسلامیہ کو فکری اعتبار سے مجموعی طور پر دو انتہا پسندانہ رویوں کا سامنا ہے۔ ۱۔ لادینیت، ۲۔ تکفیر۔ ان انتہاپسندانہ رویوں کی کش مکش اور تصادم کے نتیجے میں، ملت اسلامیہ کا ایک طبقہ مغربی روشن خیالی، آزادئ فکر، اور آزادئ اظہار رائے کی خوب صورت تعبیرات کے زیر اثر، دین بے زاری کی تیز و تند آندھیوں کی مسموم فضا کی لپیٹ میں ہے، اور سرے سے دین اسلام کو زندگی کے فکری اور عملی دونوں ہی دائروں سے نکال باہر کرنے کے درپے ہے، یہ طبقہ اپنی شناخت ایک مسلم طبقے کی حیثیت سے کروانے اور جتانے کے باوصف اپنے داخلی تذبذب اور ارتیابی و تشکیکی کیفیت کی وجہ سے، بہ زبان حال دین اسلام سے مطمئن نہیں، اور اسلام کے بارے میں شدید مایوسی اور احساس کمتری کا شکار ہے۔

دوسرا طبقہ دین اسلام کی متشددانہ وپر تعصب تعبیر کی وجہ سے اسلام کے نظریاتی اور فکری دائرے کو اس قدر محدود کرچکا ہے کہ محض ایسے فروعی اور جزئی مسائل کی وجہ سے عام اہل اسلام کی تکفیر میں مبتلا ہے جو مسائل اہل اسلام کی تاریخ سے وابستہ ہیں، اور اگر ان مسائل کی وجہ سے اس رویۂ تکفیر کو درست قرار دیا جائے تو تاریخ اسلام کی نمایاں شخصیات تک اس کے اثرات پہنچتے ہیں اور معاملے کو نہایت سنگین موڑ تک پہنچا سکتے ہیں۔ درحقیقت متذکرہ بالا دونوں ہی رویے اور ان رویوں کے اختیار کرنے والے ان دونوں

طبقات کو ردعمل کی نفسیات نے جنم دیا ہے، جب لادینیت اور دین بے زاری میں زیادتی سے کام لیا جاتا ہے تو دوسری طرف خطرۂ بحرانِ شناخت(Identity Crisis) کے جذبات دوسرے طبقے کو اکساتے ہیں کہ وہ اپنے اختیار کردہ نظریات اور افکار کی ذرہ بھر مخالفت کرنے والوں کو اسلام دیس نکالا کردیں۔ ہمارے خیال میں ان دونوں ہی خطرناک متشددانہ رویوں کے پنپنے، پھیلنے اور مسلم معاشرے میں جڑ پکڑنے کی وجہ دینِ اسلام کے بنیادی عقائد جن کی اصل واساس قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ ہیں، ان سے لاعلمی اور غفلت ہے، اور ان عقائد کی نشر واشاعت اور تعلیم وتدریس کا نامناسب انتظام ہے، اس سلسلے میں ہمیں اپنے مقتدر و محترم دینی رہنمایان ملت سے بھی شکوہ ہے کہ ان کی طرف سے قرآن وسنت کے ٹھوس، متفقہ، اور افراط و تفریط سے پاک عقائد و نظریات کی تبلیغ اور دعوت اور مسلم معاشرے میں انہیں پیش(Address) کرنے کے بارے میں غیر حکیمانہ پالیسی اختیار کی گئی ہے۔

چونکہ تعلیم و تعلم سے وابستہ نوجوان طلبا اور طالبات ہی کسی بھی قوم وملت کا حقیقی سرمایہ ہوتے ہیں، مستقبل کی امیدیں انہی سے وابستہ ہوتی ہیں، قوم وملت کی ترقی یا تنزل انہی کی ترقی وتنزل سے عبارت ہے اور ملت کی باگ ڈور انہوں نے سنبھالنی ہوتی ہے، اس لیے اس اہم طبقے کی بہترین فکری تعمیر و تربیت ہی کسی بھی قوم وملت کے کامیاب یا ناکام ہونے کا مدار ہوتی ہے۔ اگر اس طبقے کو تربیت اور تعلیم میں درست رویے کو اپنایا جائے اور انہیں دینی فکر و نظر کا درست شعور مہیا کرنے کا مناسب انتظام کیا جائے تو یہ ہمارے مستقبل کے لیے ایک خوش آئند اقدام ہوگا۔

موضوعات بحث

تعلیمی اداروں سے وابستہ نوخیز نوجوان نسل کے عقائد وافکار کی اصلاح، اور انہیں دین اسلام کا حقیقی رخ سمجھانے کے لیے درست اور تیر بہ ہدف حکیمانہ پالیسی کے اختیار کرنے کے لیے زیر نظر تحریر میں، ایک طرف تعلیمی اداروں کے طلبا وطالبات کو کتاب و سنت سے ہم آہنگ واضح اور درست نظریات وعقائد کی تعلیم وتدریس کے لیے سیرت رسول ﷺ سے کشید حکیمانہ پالیسیوں کو اختیار کرنے کی ضرورت، اہمیت، طریق کار اور اس منہج کے ممکنہ ومتوقع اچھے نتائج ایسے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا گا۔ دوسری طرف اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی مکی دور نبوت میں اختیار کردہ دعوتی و تبلیغی پالیسی کو بالخصوص بہ طور آئیڈیل رول ماڈل پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی، مثلاً: بنیادی عقائد توحید، رسالت وآخرت پر زور دینا، تعبیر وبیان میں سادگی اختیار کرنا، عام رسوم ورواج کے اختیار میں تشدد کی بجائے لچکدار برتاو، تین سال تک خفیہ دعوت، دعوت بہ ذریعہ عمل وغیرہ وہ اسالیب اور طریق ہائے دعوت تھے جو رسول اللہ ﷺ نے مکی دور زندگی میں بہ حسن وخوبی اختیار کیے اور پیغام اسلام کو سمجھ، برت کر آگے پہنچانے کے لیے ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے پیغام رسانی کے فریضۂ نبوت میں رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا واقعی حق ادا کردیا۔

قبل از ہجرت رسول اللہ ﷺ کے اختیار کردہ اسلوبِ انذار و تبشیر کی نمایاں خصوصیات

ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی نے رسول اللہ ﷺ کے تقریبا تئیس سالہ دعوتی مشن کو چار مراحل میں تقسیم کیا ہے:

پہلا مرحلہ: خفیہ دعوت، یہ مرحلہ بعثت نبوی ﷺ کے بعد عرصہ تین سال پر محیط ہے۔

دوسرا مرحلہ: اعلانیہ دعوت، لیکن صرف زبانی و کلامی دعوت جس میں مخالفین سے باقاعدہ لڑائی یا مڈبھیڑ مقصود نہیں تھی، یہ مرحلہ ان تین سالوں کے بعد ہجرت تک کا ہے۔

تیسرا مرحلہ: اعلانیہ دعوت کے ساتھ ساتھ ظلم وزیادتی کرنے اور نقصان پہنچانے کی غرض سے میدان کارزار میں اترنے والوں کے خلاف قتال و مبارزت، یہ مرحلہ صلح حدیبیہ تک کا ہے۔

چوتھا مرحلہ: اعلانیہ دعوت کے ساتھ ساتھ اندرون وبیرون جزیرہ عرب جو فرد و قوم اسلام کی دعوت میں رکاوٹ بنے، چاہے مشرکین ہو، ملاحدہ ہو، یا اہل کتاب، تمام ہی سے نمٹ کر اسلام کے ابلاغ کی راہ ہموار کرنا، یہ مرحلہ رسول اللہ ﷺ کی دنیوی زندگی کے اختتام تک کا ہے۔[1]

صفی الرحمن مبارک پوری نے قبل از ہجرت کی مدت کو تین مراحل میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ تین سالہ خفیہ دعوت۔

۲۔ اس کے بعد دس نبوی کے اواخر تک مخالفین کی ایذارسانی پر تحمل و برداشت کرتے ہوئے، بلا مقابلہ و مبارزت مکہ مکرمہ اور اطراف واکناف کے قبائل عرب کو علانیہ دعوت۔

۳۔ دس نبوی کے بعد مکہ مکرمہ سے باہر رہنے والوں کو علانیہ دعوت۔[2]

ان تینوں ہی مراحلِ دعوت میں رسول اللہ ﷺ کے اختیار کردہ اسلوبِ انذار و تبشیر کے رویے پر غور کیا جائے تو حسبِ ذیل پانچ امتیازات نمایاں ہوتے ہیں:

۱۔ خفیہ دعوت

پہلی وحی آجانے اور اس کے بعد پیغام خدا کے پہنچانے کی بھاری ذمہ داری کے باقاعدہ سپرد کیے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے عالمگیر مشن کا آغاز خفیہ دعوت سے فرمایا، پیغام خدا کا اظہار صرف ان کے سامنے فرمایا جن سے کوئی سابقہ معرفت ہو، یا رشتہ داری ہو، اس اسلوب دعوت کے اپنانے کی وجہ کسی کا خوف یا ڈر ہرگز نہیں تھا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کو کامل یقین تھا کہ جس خدا نے آپ کو ذمہ داری سونپی ہے، وہ آپ کی حفاظت کرنے پر قدرت رکھتا ہے، تاہم یہ اس وقت کے حالات کا تقاضا تھا، یہ پیغامِ اسلام اس وقت موثر ہو سکتا تھا، جب اس کی دعوت کی ابتداء اسی انداز سے کی جائے، اگر فوری طور پر اظہار اور اعلان کی صورت اپنائی جاتی تو مطلوبہ فوائد کے حصول میں تاخیر یا فوری طور پر کئی ایک رکاوٹوں کا سامنا ہو سکتا تھا۔[3]

۲۔ رشتہ داروں اور واقف کاروں سے دعوت کا آغاز

ابتداء میں رسول اللہ ﷺ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا کہ اپنی دعوت کے دائرے کو محدود رکھتے ہوئے سب سے

پہلے اپنے رشتہ داروں اور واقف کاروں کے سامنے پیش فرمائیں۔[4] سیاسی، انتظامی اور تبلیغی ہر سہ نقطہائے نظر سے یہ ایک بالکل منطقی پالیسی تھی کہ سب سے پہلے ان کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی جائے جو کم از کم بات سننے، سمجھنے اور اس پر غور کرنے کے لیے دلی طور پر رضامند ہیں، اور ایسے افراد قریبی رشتہ دار اور واقف کار دوست ہی ہو سکتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے اسی پالیسی کے مطابق سب سے پہلے انتہائی قریبی رشتہ داروں کو دعوت دی، یہی وجہ ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہؓ ایمان لائیں جو آپ کے حرم محترم میں تھیں، مردوں میں سیدنا ابو بکرؓ ایمان لائے جو آپ کے دیرینہ دوست تھے، بچوں میں سیدنا علیؓ ایمان لائے جو آپ کے چچازاد بھائی تھے اور غلاموں میں سیدنا زید بن حارثہؓ ایمان لائے جو آپ ﷺ کو سیدہ خدیجہ کی طرف سے بہ طور ہدیہ غلام پیش کیے گئے تھے، اور ممانعت وارد ہونے سے پہلے آپ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا قرار دیا تھا، اور وہ محمد بن زیدؓ پکارے جاتے تھے۔[5]

۳۔ ایذا رسانی پر، بلا شکوہ و شکایت اور بلا مقابلہ و مبارزہ، صبر و تحمل

اس مرحلہ دعوت کا ایک نمایاں امتیاز مخالفین کی شدید ایذا رسانی کے سامنے کیا جانے والا صبر و تحمل، اور برداشت و ثبات ہے، عقبہ ابن ابی معیط آپ ﷺ کے گلے میں کپڑا ڈال کر گلا گھونٹتا ہے، لیکن سامنے سے ایک ہاتھ تک نہیں اٹھتا ہے۔[6] رسول اللہ ﷺ شہنشاہ کائنات کے روبرو سجدہ ریز لذت مناجات سے بہرہ یاب ہو رہے ہیں اور اسی حالت میں اونٹ کی اوجھڑی کی غلاظت آپ کی پشت مبارک پر ڈالی جاتی ہے، لیکن آپ ﷺ کی طرف سے کوئی انتقامی اقدام نہیں ہوتا۔[7] مکہ کی گلیوں میں آپ کی طرف مٹی اچھالی جاتی ہے، سر مبارک اور چہرہ مبارک گرد آلود ہو جاتے ہیں، لیکن یوں عزت و ناموس کو پامال کرنے والوں کے خلاف بھی کوئی شکوہ و شکایت مروی نہیں۔[8] ان سب کے باوجود بھی انہیں ایک خدا کی طرف لوٹ کر آجانے ہی کی دعوت دی جاتی ہے۔ تین سالہ شدید ترین معاشرتی لاتعلقی کے عذاب جھیلنے کے باوجود ایذا رسانی کرنے والوں کے خلاف کسی قسم کا کوئی حربہ جنگ و جدل استعمال نہیں کیا گیا۔[9] اس مرحلہ دعوت میں صحابہ کرام پر ٹوٹنے والے ستم کی داستان بھی کرب انگیز اور دردناک ہے، لیکن ان مصیبت زدہ ساتھیوں کو بھی آپ ﷺ کی طرف سے غصے میں جواب دیا جاتا ہے کہ تم سے پہلے گزرے اہل ایمان اس سے بھی کڑی مشکلات کو برداشت کرتے آئے ہیں یعنی تمہیں بھی اس برداشت میں باک نہیں ہونا چاہیے۔[10]

۴۔ عام فہم اور دوٹوک اسلوب کے ذریعے بنیادی عقائد و نظریات کی تعلیم

مکی سورتوں میں غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس مرحلہ دعوت، مخاطبین کے سامنے سادہ اور عام فہم اسلوب میں بنیادی عقائد و نظریات ہی کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ بطور مثال بنیادی عقائد اسلام؛ توحید، رسالت اور آخرت پر چند آیات ملاحظہ ہوں:

ا۔ توحید: ''بھلا کیا ان لوگوں نے زمین میں سے ایسے خدا بنا رکھے ہیں جو نئی زندگی دیتے ہیں؟ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے، عرش کا مالک اللہ ان باتوں سے بالکل پاک ہے جو یہ لوگ بنایا کرتے ہیں۔''[11]

''پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔''[12]

۲۔رسالت: ''نٓ، (اے پیغمبر) قسم ہے قلم کی، اور اس چیز کی جو وہ لکھ رہے ہیں، اپنے پروردگار کے فضل سے تم دیوانے نہیں ہو، اور یقین جانو تمہارے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا، اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو۔''[13]

۳۔آخرت: ''کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ اس منی کا ایک قطرہ نہیں تھا جو (ماں کے رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے اسے بنایا، اور اسے ٹھیک ٹھاک کیا، نیز اسی سے مرد و عورت کی دو صنفیں بنائیں، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو پھر سے زندہ کر دے؟''[14]

تینوں ہی آیت میں غور کیجیے؛ سورۃ الانبیاء میں توحید کے بیان کے لیے نظام عالم کے ایک مربوط انداز پر جاری وساری رہنے کی حسی مثال سادہ الفاظ میں دی گئی، جب کہ سب سے پہلی وحی سورۃ العلق میں خدا کے کرشمۂ خالقیت کو انتہائی مختصر اسلوب میں بتایا گیا۔ سورۃ القلم میں رسالت کے اثبات میں رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی زندگی جو مخاطبین پر عیاں تھی کا حوالہ دیا گیا، یہاں بھی کسی پیچیدہ تعبیر و تفصیل کا سہارا نہیں لیا گیا۔ سورۃ القیامۃ میں آخرت کا امکان کو عدم سے وجود کے عام فہم تجربے کے ذریعے ثابت کیا گیا۔

۵۔دعوت بہ ذریعہ پاکیزگی کردار و عمل

سیدہ خدیجہؓ کو جب رسول اللہ ﷺ نے غار حرا میں پیش آمدہ پہلی وحی کی صورت حال بتائی تو سیدہ خدیجہؓ نے اس کے فوری جواب میں جو رسالت مآب ﷺ کی اخلاقی خوبیوں کو بیان کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کے کردار کی یہ طہارت و پاکیزگی سب ہی پر عیاں تھی۔[15] اسی طرح کوہ صفا سے جب آپ ﷺ نے اعلانیہ دعوت کے فریضے کی ادائیگی کا آغاز کیا تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے مخاطبین کو اپنی سچائی اور امانت داری کا حوالہ دیا، اور مخاطبین نے آپ کے روبرو آپ کی امانت و صداقت کا برملا اقرار واعتراف کیا۔[16] حجر اسود کے نصب کے معاملے پر بھی جب مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں پایا تو سب ہی نے آپ کے کردار کی پاکیزگی کا حوالہ دے کر آپ کے فیصلے پر اتفاق کا اظہار کیا۔[17]

سیرت مطہرہ کے اس پہلو سے جہاں اور کئی ایک اسباق و دروس حاصل ہوتے ہیں، بجا طور پر یہ درس بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں آپ کی دعوت کے کئی دلوں میں گھر کرنے کی وجہ آپ کی پاکیزگیٔ اخلاق و عمل اور بلندیٔ کردار کی یہ صفت تھی جس کے مخالفین بھی بجا طور پر معترف تھے۔ آپ ﷺ نے عمل و کردار سے خاموش دعوت دینے کا یہ انداز اپنے مشن میں شامل اپنے ساتھیوں کو بھی تلقین فرمایا تھا، چنانچہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ جو آپ ﷺ کے سفر و حضر کے رفیق، یار غار اور دعوتی مشن میں آپ ﷺ کے ہمہ وقت وہمہ تن ساتھ رہے، مکہ مکرمہ میں آپؓ کے طرز دعوت میں بھی ہمیں دعوت بہ ذریعہ پاکیزگی کردار و عمل کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے، آپؓ سب کے سامنے بیت اللہ میں نماز ادا کرتے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو مکہ مکرمہ کے مرد عورت، بچے بوڑھے، سب ہی آپ کو دیکھنے سننے کے لیے بھیڑ لگا لیتے، مشرکین سربراہان کو جب معاملے کی سنگینی کا ادراک ہوا تو انہوں نے آپ کو دق کرنا شروع کیا، آپؓ نے تنگ آکر مکہ چھوڑنے کا ارادہ کیا، اس وقت قوم حبشہ کے ایک نمایاں فرد ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی، تو ابن الدغنہ نے آپ کے

کردار کی پاکیزگی سے متعلق تقریباً وہی الفاظ کہے جو سیدہ خدیجہؓ نے پہلی وحی کے نزول کے وقت رسول اللہ ﷺ کو بہ طور تسلی کہے تھے، اور ابن الدغنہ آپ کو اپنی پناہ میں لیتے ہوئے دوبارہ مکہ پہنچ گئے، جب قریش نے ابن الدغنہ کی پناہ کو اس شرط پر قبول کیا کہ سیدنا ابو بکرؓ نماز اپنے گھر کے اندر چھپ کر پڑھیں گے تو سیدنا ابو بکرؓ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔[18] اور بذریعہ عمل دعوتِ اسلام کے عمل کو برابر جاری رکھا، سیدنا ابو بکرؓ اور رسول اللہ ﷺ کے باہمی تعلقات کو دیکھتے ہوئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ طرز دعوت آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم واجازت سے اختیار کیا ہوگا، اور اسی بنا پر اس انداز دعوت کو سنت و سیرت ہی کا حصہ کہا جاسکتا ہے۔

دعوتِ اسلام کے عظیم کاز کے بہ حسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے سیرت نبویؐ کے یہ چند امتیازی رویے تھے جو مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ بہ طور خصوصی اختیار فرمائے، سیرت نبویؐ کے ان پہلوؤں کی روشنی میں اعلیٰ تعلیمی اداروں کے طلبا و طالبات کے اصلاح عقائد کے منہج وطریق کار سے متعلق اب چند تجاویز ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

عصری جامعات کے طلبا وطالبات کے عقائد و نظریات کی اصلاح کا منہج اور طریق کار، چند تجاویز اور متوقع نتائج

نوخیز نوجوان نسل کے عقائد کی اصلاح کے اس مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے تعلیمی ادارے کی انتظامیہ اور اساتذہ دونوں ہی پر برابر ذمہ داری عائد ہوتی ہے، انتظامیہ اور اساتذہ میں پر خلوص باہمی تعاون وامداد اس مشن کی کامیابی کی ضمانت ہوگا، اس سلسلے میں اساتذہ اپنی حدود میں کیا کچھ کوششیں کر سکتے ہیں؟ اور ادارہ جاتی سطح پر کیا کوششیں کی جاسکتی ہیں؟ دونوں ہی سے متعلق چند تجاویز اور ان کے متوقع نتائج ذکر کیے جائیں گے، پہلے کچھ تجاویز اساتذہ کرام کے لیے ہیں، اور پھر کچھ تجاویز ادارتی سطح پر جامعات کی انتظامیہ کے لیے پیش کی جائیں گی۔

اساتذہ و معلمین کیلئے چند رہنما تجاویز

ا۔ عقائد و نظریات اور اقدار کی اہمیت پیدا کرنا

عقائد و نظریات اور مابعد الطبیعیاتی اقدار (Metaphysical values) انسان کی نجی واجتماعی اور عملی واخلاقی زندگی کی پوزیشن واضح کرتے ہیں، عقائد و نظریات ہی کی بنا پر انسان کی زندگی سے اعمال پھوٹتے ہیں، اور انسان زندگی کی شاہراہ پر گامزن ہونے کے لیے ایک متعینہ راہ اختیار کرتا ہے، جس زندگی کی بنیادی قدر عبدیت (خدا کی بندگی) ہو، بنیادی عقیدہ توحید فی الذات والصفات ہو، اور جس زندگی کی نظریاتی وابستگی رسالت مآب ﷺ کی ذات سے جڑی ہو اس زندگی سے نکلنے والے عمل و کردار میں عبدیت نمایاں ہوگی، توحید کے جذبات موجزن ہوں گے، اور ایسی زندگی میں رسالت مآب ﷺ کی تعلیمات کو فیصلہ کن حیثیت رکھتی حاصل ہوگی، اس کے برعکس جس زندگی کی بنیادی قدر آزادی (جو جی چاہے چاہ سکنا) ہو، بنیادی عقیدہ لامذہبیت یا شرک ہو، اور نظریاتی اعتبار سے کانٹ (Kant) اور ڈیکارٹ (Descartes) اس زندگی میں رول ماڈل کی حیثیت رکھتے ہوں تو اس زندگی سے نکلنے والے عمل و کردار میں بھی آزادی، لامذہبیت اور فلسفیانہ الحاد کا پہلو نمایاں ہوگا۔

جس شخص کی تربیت مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور اس جینے کے پل پل کا حساب دینے کے نظریے پر ہو گی، اس شخص کی زندگی یقیناً ایسے شخص کی زندگی سے مختلف ہو گی جس کو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور حساب و کتاب کے بارے میں شک وشبہ ہو یا سرے سے وہ اس کا انکاری ہو۔ نوجوان طلبا و طالبات کے عقائد و نظریات کی اصلاح کیلئے سب سے پہلے جس اقدام کی ضرورت ہے وہ نوخیز نسل میں اسلامی اقدار و عقائد کی اہمیت اجاگر کرنا ہے، انہیں یہ بات باور کروائی جائے کہ عمل و کردار کی طرح اقدار و عقائد کے باب میں بھی اسلامی تعلیمات کتنی واضح[19] دوٹوک ہیں[20] اور اعمال صالحہ کی طرح ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اقدار صالحہ اور عقائد صالحہ کا پیروکار ہو اور زندگی کے اس شعبے میں بھی صراط مستقیم پر گامزن ہو۔

۲۔ خفیہ دعوت کے ذریعے آغاز

میڈیا کے زیر اثر نوجوانوں میں پھیلتے ہوئے الحاد و تکفیر کے اثرات (جس پر کچھ بات آغاز گفتگو میں ہو چکی ہے) کو مد نظر رکھتے ہوئے، اگر کسی تعلیمی ادارے میں عقائد و نظریات کے بارے میں کسی سبب سے حساسیت کی فضا قائم ہو گئی ہے،[21] تو اصلاح عقائد کے مشن کا آغاز خفیہ دعوت سے کیا جائے، اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک کہ اس ماحول میں پیدا شدہ حساسیت کے اثرات کم نہ ہو جائیں اور ہم خیال افراد و طلبا کی ایک جماعت پیدا نہ ہو جائے، اس لیے کہ حساس حالات کی فضا میں افراط و تفریط کی وجہ سے ایک درست اور حق بات کو سننے سمجھنے کی صلاحیت بھی کمزور ہو جاتی ہے، ایسی صورت حال میں اگر کسی غلط فکری رخ کی اصلاح کے بارے میں کوئی بھی بات اعلانیہ کی جائے گی تو شاید اس کے اچھے نتائج برآمد نہ ہوں۔ بہ ظاہر خفیہ دعوت کا عنوان ایک عام قاری کے لیے تشویش کا باعث ہو سکتا ہے (کہ کیا یہ کوئی نامناسب عمل ہے جس کو علانیہ نہیں کیا جاسکتا؟)، تاہم اس عنوان سے مراد اسی پالیسی کی طرف اشارہ مقصود ہے جو زمانہ ابتداے بعثت میں رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمائی تھی، رسول اللہ ﷺ کی دعوت دین بھی سراسر حق تھی، لیکن آپ ﷺ نے آغاز دعوت کے وقت اسی پالیسی کو اختیار کیا، اور جب ایک عرصہ گزر جانے کے بعد اپنے ہم خیال افراد کی جماعت تیار ہوئی تب آپ نے اللہ تعالی کے حکم کے مطابق باقاعدہ اعلانیہ دعوت شروع کی۔ اسی حکمت نبوی ﷺ پر مبنی پالیسی کو حساس اور نازک صورت حالات میں اختیار کرنا دانش مندی اور اس مشن کے اچھے نتائج کی ضمانت ہے۔

۳۔ اولین تعلیم: بنیادی عقائد توحید و رسالت و آخرت

اس وقت طلبا و طالبات میں پھیلتی ہوئی دین سے لاتعلقی اور دین بے زاری اس بات کی متقاضی ہے کہ عقائد کے باب میں کلامی دقائق و لطائف اور فلسفیانہ نکتہ سنجیوں کی بجائے بنیادی عقائد اسلام پر اپنی توجہ مرکوز رکھی جائے، ان کے سامنے عقیدۂ توحید ایسے بنیادی عقیدے، جو تمام ہی ملل سماویہ کا مرکزہ ہے، کا تعارف پیش کیا جائے، عقیدہ توحید کے تقاضوں سے انہیں روشناس کروایا جائے، رسالتِ نبوی ﷺ کے عقیدے کی اہمیت سمجھائی جائے، اپنوں کی عاقبت نااندیشی اور غیروں کی مفاد پرستی کی وجہ سے اس وقت رسول اللہ ﷺ کی دی گئی ہدایات کے بارے میں اہل اسلام میں جو بڑھتی ہوئی غلط فہمی اور احساس کمتری ہے اس غلط فہمی اور احساس کمتری کو

علمی و عقلی انداز سے دور کیا جائے، بد عملی و بدکرداری کی روک تھام کے لیے نوخیز نسل کے دل میں عقیدہ آخرت کا احساس اجاگر کیا جائے، ان میں قیامت کے دن کی حساب دہی کا شعور پیدا کیا جائے۔

الحاد اور تکفیر ایسی دو متضاد انتہاؤں کی طرف جانے والے معاشرے میں قرآن کریم کے مخلوق ہونے یا نہ ہونے، جنت میں رؤیت باری تعالی کے امکان وعدم امکان، تقدیر کے پر پیچ مسائل، معراج کے جسمانی و روحانی ہونے، صفات باری تعالی سے متعلق نکتہ آفرینیاں اور موشگافیاں لاحاصل ہیں، یہ وقت استوائے عرش، نور و بشر، علم غیب کلی و جزوی، سماع موتی، جسمانی و روحانی عذابِ برزخ ایسے مسائل میں الجھنے الجھانے کا نہیں ہے، جب عمارت کی جڑوں میں دیمک لگنے کا خطرہ ہو تو اس عمارت کی دیواروں کو رنگ و روغن کرنے اور ان پر پھول بوٹوں کی کشیدہ کاری سے کہیں زیادہ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ جڑ سے دیمک کے خاتمے کے لیے کوششیں بروئے کار لائی جائیں۔ اس سلسلے میں حدیث جبریلؑ[22] میں رسول اللہ ﷺ کی دی گئی ہدایات کو طلبا و طالبات کی اصلاح عقائد کا دستور بنانا چاہیے، چنانچہ جب جبریلؑ نے ایمان کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، فرشتوں پر، خدا کی اتاری کتابوں پر، رسولوں پر، یوم آخرت پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لے آئے۔''[23] انہی بنیادی عقائد کو طلبا و طالبات کے سامنے نقل و عقل کی روشنی میں پیش کیا جائے۔[24]

۴۔ تعلیم عقائد میں تدریج

رسول اللہ ﷺ کی دعوت دین کی ایک نمایاں خوبی اسلوب تدریج کا اختیار کرنا ہے، اللہ جل جلالہ کے حکم کے مطابق مختلف مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دعوتی مشن میں، خصوصا نوخیز نواجونوں کے ساتھ، تدریجی انداز بیان اختیار فرمایا ہے، چنانچہ جندب بن عبد اللہؓ کہتے ہیں: ''ہم نوخیز نوجوان تھے، ہم نے رسول ﷺ کے ساتھ عرصہ گزارا ہے، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پہلے ایمان سیکھا، پھر قرآن سیکھا، اور یوں قرآن سیکھنے سے ہمارے ایمان میں مزید اضافہ ہوا۔''[25] اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذؓ کو یمن بھیجتے ہوئے جو طریقہ دعوت ارشاد فرمایا اس کے مطابق انہیں پہلے اہل یمن کو شہادتین کے اقرار کی دعوت دینے کا حکم دیا، پھر فرمایا اگر وہ یہ بات مان لیں تب ان کے سامنے صدقے سے متعلق احکام بیان کرنا۔[26] اسی طرح رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کی تعلیم کے متعلق بھی یہی طریقہ اختیار فرماتے کہ کچھ آیات پڑھا کر جب تک پڑھنے والے انہیں اچھی طرح سمجھ نہ لیں آگے نہ بڑھتے تھے۔[27] اس سنت نبوی ﷺ سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ گو اصول عقائد طلبا و طالبات کو ایک ساتھ بتائے جائیں لیکن نادرست عقائد کی اصلاح و تفہیم کے بارے میں تدریج کا رویہ اختیار کرتے ہوئے اہم عقائد کے بارے میں ترتیب وار ان کے خلجان کو دور کیا جائے اور ان کے سوالات کا جواب دیا جائے اور بعد ازاں ان سے کم اہمیت رکھنے والے عقائد کی تفصیل ذکر کی جائے۔

۵۔ مسلکی وابستگیوں سے عدم تعرض کی پالیسی

فروعی مسائل اور مکاتب فقہ سے وابستگی کے سلسلے میں اہل اسلام عام طور پر چند مشہور فقہی مکاتب فکر (مالکیہ، حنفیہ، شافعیہ،

حنابلہ، ظاہریہ، جعفریہ وغیرہ) سے وابستہ ہیں؛ پھر ایک مکتب فکر کے تحت بھی آراء کے محمود اختلاف کی وجہ سے کئی ایک مسالک اپنا وجود رکھتے ہیں، عصری جامعات کا یہ حسن ہے کہ وہاں مسالک و مکاتب کی وابستگیوں سے لاتعلق ہو کر طلبا و طالبات کو داخلے دیے جاتے ہیں اور اختلاف آراء کا بجا طور پر احترام کرتے ہوئے، اس اختلاف آراء کو تفرقہ بازی و تفرقہ سازی کے لیے استعمال کرنے کی کوششوں کی مذمت اور ان کی روک تھام کے لیے کوششیں کی جاتی ہیں، مسلک و مکتب کے بارے میں چونکہ ایک حساسیت پائی جاتی ہے، اس لیے وقت کی نزاکت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اساتذہ کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ بنیادی عقائد[28] کی تعلیم و تربیت کے مرحلے میں طلبا و طالبات کے اختلاف مسالک و مکاتب کا احترام کرتے ہوئے ان مسلکی وابستگیوں کے متعلق کسی قسم کی کوئی منفی بات نہ کی جائے ورنہ اصلاح عقیدہ کی مثبت دعوت بھی اس مسلکی حساسیت کی نذر ہونے کا اندیشہ ہے۔

۶۔ زیر تربیت طلبا و طالبات کی مجموعی فکری استعداد کو مد نظر رکھا جائے

جس طرح ہر علم و فن کی تدریس و تعلیم میں یہ بات ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ گفتگو ایسی ہو جو سامعین کی استعداد و صلاحیت کے مطابق ہو اور اس گفتگو کو سامعین اچھی طرح سمجھ کر اپنا سکیں، ایسے ہی عقائد کی تعلیم و تدریس میں بھی اس نکتے کو خصوصی طور پر ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ سیدہ عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے انداز تدریس کے متعلق فرماتی ہیں: "آپ ﷺ تمہاری طرح جلدی جلدی لگاتار گفتگو نہیں کرتے تھے جس کی بنا پر سننے والوں کو آپ ﷺ کی بات سمجھنے میں تکلف کرنا پڑے، بلکہ جب بھی گفتگو کرتے واضح اور دو ٹوک ہوتی، جو اس مجلس میں ہوتا وہ (باآسانی) اس بات کو یاد کر لیتا۔[29] سامعین کی استعداد ہی کو پیش نظر رکھ کر آپ کبھی کبھار ایک بات کو تین تین دفعہ دہرایا بھی کرتے تھے۔"[30]

چنانچہ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ طلبا و طالبات کی علمی استعداد و صلاحیت کو پیش نظر رکھیں، عقائد کے باب میں ایسی دقیق بات جو ان کی عقل و فہم سے بالا ہو ان کے سامنے بیان نہ کی جائے، اس بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ فرمان مد نظر رہے، آپؓ فرماتے ہیں: "آپ جب بھی کسی قوم کے سامنے ایسی بات کہیں گے جو ان کی عقل و دانش سے بالا ہو گی تو اس قوم کے لوگ ضرور فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے۔"[31]

۷۔ نرمی و نرم خوئی اپنانا، ترش روئی سے اجتناب

اس وقت طلبا و طالبات کی دینی ذہن سازی میں ایک اہم رکاوٹ گفتار اور اسلوب تعلیم و تدریس میں درشتگی اور ترش روئی کا وہ رویہ ہے جو عام طور پر مذہبی طبقے سے وابستہ کچھ کم فہم اور ناسمجھ افراد نے اختیار کیا ہوا ہے، جو عقائد سے متعلق طلبا و طالبات کے سوالات کا جواب نہ دے سکنے کی کمزوری کو اس رویے سے رفو کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، اس رویے کو بدلنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اگر اس رویے کو برتا جاتا رہا تو اندیشہ ہے کہ ہمارا یہ قیمتی نوجوان اثاثہ میڈیائی پروپیگنڈوں کا شکار ہو کر کل کی بجائے آج ہی دین اسلام سے وابستگی ختم یا برائے نام کر دے۔ (لاقدر اللہ ذلک)

اس بارے میں بالخصوص رسول اللہ ﷺ کے انداز تعلیم کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کا چہرہ ہر وقت تبسم سے کھلا رہتا، اخلاق میں نرمی، انداز میں شائستگی تھی، نہ گفتار میں درشتگی تھی، نہ کردار میں سختی، نہ زور زور سے چلانے والے تھے، نہ بدگوئی کرنے والے، نہ عیب جو تھے، نہ بے جا مدح خواں۔"(32) کوئی اجنبی، آپ ﷺ کے مرتبہ و مقام سے ناواقف آکر آپ سے گفتگو میں سختی اور مانگنے میں درستی برتتا تو آپ اس کے رویے پر کسی قسم کا ردِ عمل ظاہر کرنے کی بجائے صبر و سکوت سے کام لیتے، بلکہ جو سوالات صحابہ کرامؓ از خود پوچھنے کی ہمت نہ کرپاتے ان کیلئے دیہاتی بدؤوں کو تیار کر کے لاتے کہ وہ سوال کریں اور رسول اللہ ﷺ ان کو جواب دیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ ان بدؤوں کے سوال اور انداز سوال پر کسی قسم کے غصے کا اظہار نہ فرماتے تھے۔(33) ابو رفاعہ عدویؓ کہتے ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اسی دوران میں نے آپ کے پاس پہنچ کر یوں کہا کہ ایک اجنبی آیا ہے اور اپنے دین کے بارے میں معلومات چاہتا ہے، آپؐ نے خطبہ چھوڑا، منبر سے اتر کر ایک کرسی منگوائی اور اس پر بیٹھ کر مجھے میری مطلوبہ معلومات بہم پہنچائیں، پھر مجھ سے فارغ ہو کر دوبارہ منبر پر رونق افروز ہوئے اور اپنی بات جہاں ادھوری چھوڑی تھی اس کو مکمل فرمایا۔(34)

۸۔ سوالات کرنے کا موقع دینا اور سوال کرتے ہوئے نامناسب رویے پر صبر کرنا

افسوس ناک بات یہ ہے کہ اسلامی عقائد کے بارے میں بھی ایک عمومی تاثر یہ قائم ہوتا جا رہا ہے کہ دیگر توہماتی مذاہب کی طرح دین اسلام کے عقائد بھی خلاف عقل ہیں اور انہیں تسلیم کیے بنا کوئی چارہ نہیں ہے، حالانکہ یہ تاثر سراسر غلط ہے جو اپنوں کی ناسمجھی اور غلط رویے کی بنا پر معاشرے میں کافی حد تک پھیل چکا ہے۔ اسلامی عقائد ٹھوس عقلی بنیادوں پر قائم ہیں، البتہ کچھ ایسے اصول ہیں جن کو سیکھے سمجھے بغیر کچھ عقائد کی کلیت و تمامیت ایک عام ذہن کے لیے واضح نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے ایک خاص نوعیت کے اختصاص کی ضرورت ہوتی ہے، تاہم ایسے چند پہلوؤں کی بنا پر جملہ عقائد اسلام کو عام انسانی ذہنی بساط سے بالا قرار دینا در حقیقت انسانی شرافت عقل کی توہین ہے، اللہ جل جلالہ نے کائنات میں جا بجا اپنی نشانیاں بکھیری ہی اس وجہ سے ہیں کہ انصاف کے ساتھ سوچنے والے کے لیے حق کی طرف راہ یابی کا دروازہ چوپٹ کھلا رہے، اگر اس بارے میں کسی قسم کا اشکال یا سوال پیدا ہو تو فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون(35) "اب اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے تو جو علم والے ہیں ان سے پوچھ لو۔"(36) کی تعلیم دی گئی ہے۔

چنانچہ زیر بحث موضوع سے متعلق طلبا کے ذہنوں میں ابھرنے والے سوالات، اشکالات اور اعتراضات کا طلبا کی عقلی استعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے دلیل و برہان سے جواب دینا معلم کی ذمہ داری ہے، اپنی کم علمی کو غصے یا ناراضگی سے چھپانے کے بجائے صبر اور حوصلے سے کام لے کر جواب دینے کی کوشش کی جائے اور اگر موقع پر معلم کو جواب معلوم نہ ہو تو وہ خود دیگر اہلِ علم سے مدد لے کر طلبا کی تشفی کا سامان کرے۔ گو کہ بے جا سوالات کی رسول اللہ ﷺ نے مذمت فرمائی ہے(37) لیکن اس سے وہ سوالات مراد ہیں جو ضد و عناد یا محض تکلفات یا غیر مفید امور سے متعلق تفتیش پر مبنی ہوں(38) اس کے برعکس بغرض تفہیم کیے جانے والے سوال کی

حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اسے نصف عقل و علم بھی کہا گیا ہے۔[39] پہلے گزر چکا ہے کہ سائل کی درستگی کے باوصف آپ ﷺ کس اعلیٰ حسن اخلاق اور نرم خوئی کا مظاہرہ فرمایا کرتے تھے۔

۱۰۔ اخلاقی پاکیزگی اور ستھرے کردار کے ذریعے عملی دعوت

دعوت چاہے کسی اچھے عمل کی ہو یا کسی درست فکر و نظریے کی، اس کی تاثیر اس وقت کئی گنا بڑھ جاتی ہے جب داعی کی خود اپنی شخصیت اور کردار پاکیزہ اور ستھرا ہو، عام انسانی فطرت یہی ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کرنے کے خواہشمند داعی کی خود اپنی زندگی پر نگاہ ڈالتا ہے، اس کی دعوت کے آئینے میں خود اس کو پرکھنا چاہتا ہے، داعی کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے کہ اس کی دعوت کو کس حد تک قبول کیا جائے؟ چنانچہ اسی انداز دعوت کو اصلاح عقائد کے اس مشن میں بھی اختیار کرنے کی ضرورت ہے، جب تک معلم کا عمل و کردار پاکیزہ اور شفاف نہیں ہوگا اس کی دعوت کمزور اور بے اثر رہے گی۔ اس انداز دعوت کو اختیار کرنے کی تجویز کا ماخذ بھی رسول اللہ ﷺ سمیت جملہ انبیاے کرامؑ کی سنتِ دعوت ہے۔ سیدنا شعیبؑ نے قوم کو دعوت دیتے ہوئے اپنے عمل و کردار کے بارے میں فرمایا تھا: ''اور میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ جس بات سے تمہیں منع کر رہا ہوں تمہارے پیچھے جا کر خود وہی کام خود کرنے لگوں۔''[40] اور رسول اللہ ﷺ کے صفا پہاڑ پر چڑھ کر اپنی پاکیزگی کردار و عمل کو پیش کرنے والی روایت سمیت کچھ اور روایات بھی پہلے ذکر کی جاچکی ہیں۔ (وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ وصحبہ اجمعین)

ادارتی انتظامیہ کیلئے چند تجاویز

۱۔ معلمین کی تدریب و تربیت

طلبا و طالبات کی ذہنی ساخت کے تشکیل پانے میں سوسائٹی، والدین، دوست یار اور رشتہ دار وغیرہ کئی عوامل بیک وقت کارفرما ہوتے ہیں، تاہم ان تمام ہی عوامل میں سب سے موثر عامل معلم ہوتا ہے، بنیادی طور پر طلبا و طالبات اپنے معلمین ہی کو دیکھ کر کسی بھی منفی یا مثبت طرز عمل اور اندازِ فکر و نظر کو اختیار کرتے اور اپناتے ہیں، پھر اگر وہ طرز و انداز زمانے کی عام روش کے مطابق ہو تو معلم کو تربیت و تعلیم میں مزید کسی اضافی تکلیف کا سامنا نہیں ہوتا، بلکہ معلم کی معمولی سی کوشش سے اس طرزِ عمل و فکر و نظر کے نقوش طلبا و طالبات کے دلوں میں گہرے ہوتے جاتے ہیں، لیکن اس کے برعکس اگر معلم کا طرز و انداز زمانے کی عام روش سے مختلف ہو تو ایسی صورت حال میں معلم کو خوب محنت اور کوشش کرنا پڑتی ہے۔ اب معلمین، خصوصاً جن معلمین کا خصوصی مضمون اسلامیات یا کسی دینیات کے کسی بھی شاخ سے متعلق ہو، عقائد و نظریات کی اصلاح کے بارے میں تربیت و تعلیم کے ذریعے کیا کوشش کر سکتے ہیں؟ کس منہج کا اختیار کرنا ان کے لیے زیادہ موثر ہو سکتا ہے اور کون سا منہج نقصان دہ؟ ان اہم نکتوں سے متعلق رہنمائی کے لیے ادارتی سطح پر معلمین کی تربیت کے لیے خصوصی کورسز اور ورکشاپس منعقد کی جاسکتی ہیں، جن کے ذریعے اساتذہ کی رہنمائی کی جائے، یوں یہ اساتذہ طلبا و طالبات کی رہنمائی میں اپنا کردار اچھی طرح ادا کر سکیں گے۔

۲۔ معلمین کی تعلیمی سرگرمیوں کی نگرانی

ادراتی سطح پر جس طرح جامعات کے منتظمین، معلمین کی اس نکتہ نظر سے پڑتال اور نگرانی کرتے رہتے ہیں کہ وہ درسگاہ میں آمد و رفت میں اوقات کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں؟ طلبا و طالبات کی علمی ضروریات پوری کرتے ہیں یا نہیں؟ طلبا ان کی تدریس و تعلیم اور انداز تربیت سے مطمئن ہیں یا غیر مطمئن؟ ایسے ہی منتظمین کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ معلمین کی فکری تعلیمی سرگرمیوں کی پڑتال کرتے رہیں اور طلبا و طالبات کے ذریعے یہ جائزہ لیا جاتا رہے کہ فکری اعتبار سے ان کی تربیت کے لیے کون سا منہج اختیار کیا گیا ہے؟ کوئی عاقبت نااندیش نام نہاد معلم طلبا و طالبات کو ملک دشمنی، اسلام دشمنی، مسلمان دشمنی اور فکری بغاوت کی تعلیم تو نہیں دے رہا؟ کہیں تریاق علم کی تقسیم کی بجائے معلم قوم کے بچوں کے ذہنوں میں تشکیک واضطراب کا زہر تو نہیں گھول رہا؟ کہیں معلم ان کے اذہان و افکار میں انسان وانسانیت سے محبت کا درس دینے کی بجائے نفرت اور بغض تو نہیں سکھا رہا؟ اگر کسی بھی ایسے شخص کے بارے میں یقینی طور پر قابل اعتماد ذرائع سے علم ہو جائے کہ وہ نوجوان نسل کی منفی تربیت کرنے میں مصروف عمل، ملک کے مستقبل کو نقصان پہنچا رہا ہے تو ایسے شخص کے خلاف سخت کارروائی کی جائے، نہ صرف اسے ادارے سے بے دخل کیا جائے بل کہ اگر معاملہ کسی طرح سنگین نوعیت کا ہو تو اس کے خلاف عدالتی کارروائی کر کے ایسے افراد کا تعلیم و تربیت کے میدان میں در آنے ہی سے راستہ روک دیا جائے۔

۳۔ تمام شعبہ ہائے علوم و فنون کے طلبا و طالبات کیلئے ایک مختصر اور جامع نصاب کی فراہمی

اعلیٰ تعلیمی ادارے اور جامعات چونکہ اپنے نصاب کی تعین میں کافی حد تک خود مختار ہوتے ہیں، اس لیے عقائد و نظریات کی اصلاح سے متعلق بھی ادارتی سطح پر تمام ہی شعبہ ہائے تعلیم میں دینیات یا اسلامک ایتھکس اینڈ ویلیوز (Islamic Ethics & Values) کے عنوان سے ایک باقاعدہ ضمنی مضمون کا اضافہ کیا جاسکتا ہے، جس میں عقائد و نظریات کی اصلاح کے حوالے سے ایک مکمل نصاب فراہم کیا گیا ہے، اس لیے کہ عقائد و نظریات کی اصلاح صرف دینیات کے مضمون کے طالب علم ہی کی نہیں، بل کہ تمام مسلمان نوجوان طلبا و طالبات کی اہم ترین شرعی ضرورت ہے، گو کہ یہ نصاب طویل نہ ہو لیکن اختصار و جامعیت کے ساتھ اس نصاب میں حسب ذیل تین حصے شامل کیے جائیں:

۱۔ بنیادی دینی عقائد (توحید، رسالت، آخرت ختم نبوت وغیرہ) کی تشریح و تفصیل۔

۲۔ ارکانِ اسلام، اہم فرائض (نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ) سے متعلق بنیادی معلومات۔

۳۔ اسلامی تعلیمات کی عقلی مصالح و حکمتیں اور مستشرقین و مستغربین کی طرف سے عام طور پر کیے جانے والے اشکالات و اعتراضات کے جوابات۔

۴۔ طلبا و طالبات سے مشاورتی فورمز (Counseling Forums) کے ذریعے رابطہ مہم

قائد چونکہ ایک حساس موضوع ہے اور ہمارے زمانے میں اس کی حساسیت مزید بڑھ گئی ہے، اس لیے بسا اوقات طلبا و

طالبات اپنے ذہنوں میں ابھرتے سوالات اور اشکالات کو کسی اجتماع میں یا دوران درس پیش کرنے سے گھبراتے ہیں، نیز بعض معلمین سے سخت رویے کے سامنے کے خوف کی بنا پر وہ اپنی فکری تشویش کا اظہار نہیں کرتے، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دل کے نہاں خانے میں سلگتی یہ چنگاری جب بھڑکتی ہے تو یا ایمان کو خاکستر کر کے طالب علم کو الحاد کی راکھ پر ڈھیر کر دیتی ہے، یا پھر رواداری و برداشت کے جذبات جلا کر طالب علم کو شدت پسندی اور عدم برداشت ایسے ذہنی امراض میں مبتلا کر دیتی ہے، ذہن میں ابھرتے ان تیکھے سوالات کے اظہار پر طلبا و طالبات کی آمادگی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ طلبا و طالبات کے ساتھ مشاورتی فورمز کے ذریعے رابطہ مہم کو بھرپور انداز سے استوار کیا جائے، انہیں دوستانہ ماحول فراہم کیا جائے، ان کے لیے مشاورتی فورمز (counseling forums) اور کمیٹیاں تشکیل دی جائیں، جن کمیٹیوں کے ارکان معلمین کے سامنے وہ اپنے فکری خدشات پر مباحثہ کر سکیں اور ان کے اشکالات ان کے سینوں میں دب کر نہ رہ جائیں، اس رابطہ مہم کے لیے سماجی رابطوں کی ویب سائٹس اور ایپلیکیشنز پر باقاعدہ گروپ بنا کر ان سہولیات کا مثبت استعمال بھی کیا جا سکتا ہے، اور بین الطلبا ایسے آزاد فورمز تشکیل دے کر بھی کیا جا سکتا ہے جس پلیٹ فارم پر طلبا و طالبات کو اپنے سوالات کو کھل کر بلا جھجک اظہار کرنے کی آزادی فراہم کی جائے، اور اگر کسی طالب علم کو اپنے خیالات کے عمومی اظہار میں باک ہو تو اس طالب علم کو متعلقہ معلم تک پہنچانے میں مدد کی جائے۔ انتظامیہ کی بھرپور دلچسپی اور نگرانی اس رابطہ مہم کے منظم اجرا، نفاذ اور اس مہم کو اصلاح عقائد کے مشن میں کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے از حد ضروری ہے۔

۵۔ ورکشاپس اور کورسز کا اہتمام

جیسا کہ موقر تعلیمی اداروں میں طلبا و طالبات کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے نصابی، ہم نصابی اور غیر نصابی موضوعات سے متعلق مختلف عناوین پر ورکشاپس اور کورسز کا اہتمام کیا جاتا ہے، اسی طرح اصلاح عقائد و نظریات کے حوالے سے بھی متنوع عنوانات پر ورکشاپس اور مختصر دورانیے کے سرٹیفیکیٹ کورسز کا اجرا کیا جا سکتا ہے، ورکشاپس میں فکری و نظریاتی مسائل کی پیچیدگیوں کو ایڈریس (address) کیا جائے، اور کورسز میں باقاعدہ ایک ایسا جامع نصاب انہیں پڑھایا جائے جو عقائد و نظریات کے حوالے سے انہیں ایک سچا، کھرا اور پکا مسلمان بننے میں مدد دے، یہ نصاب ایسا ہو جس میں ایک طرف الحاد و لادینیت کے پھیلتے ہوئے مہلک مرض کا تریاق بھی ہو، اور دوسری طرف تشدد پسندی اور عدم برداشت ایسی اخلاقی کوتاہیوں کا علاج بھی ہو۔

حوالہ جات

[1] بوطی، سعید رمضان، فقہ السیرۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، بیروت، دار الفکر المعاصر، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۰۵

[2] مبارک پوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم، ط: بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۳ء، ص: ٦٤

[3] سعید رمضان البوطی لکھتے ہیں: وبناءً على ذلك فإنه يجوز لأصحاب الدعوة الإسلامية، في كل عصر أن يستعملوا المرونة في كيفية الدعوة، من حيث التكتم والجهر، أو اللين والقوة، حسبما يقتضيه الظرف وحال العصر الذي يعيشون فيه، وهي مرونة حددتها الشريعة الإسلامية

اعتمادًا على واقع سيرته ﷺ، ضمن الأشكال أو المراحل الأربعة التي سبق ذكرها، على أن يكون النظر في كل ذلك إلى مصلحة المسلمين ومصلحة الدعوة الإسلامية. (فقہ السیرۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ ص:۱۰۵)

4 الرحیق المختوم میں ہے: **وكان من الطبيعي أن يعرض الرسول ﷺ الإسلام أولًا على ألصق الناس به من أهل بيته، وأصدقائه، فدعاهم إلى الإسلام، ودعا إليه كل من توسم فيه الخير ممن يعرفهم ويعرفونه، يعرفهم بحب الحق والخير، ويعرفونه بتحرى الصدق والصلاح، فأجابه من هؤلاء . الذين لم تخالجهم ريبة قط في عظمة الرسول ﷺ وجلالة نفسه وصدق خبره .** (مبارک پوری، صفی الرحمن،الرحیق المختوم، ص:۶۵)

5 منصور پوری، محمد سلیمان سلمان، رحمۃ للعالمین،ط: کراچی، دار الاشاعت، ج:ا ص:۵۰

6 امام بخاریؒ، جامع صحیح بخاری،ط: بیروت، دار ابن کثیر ۲۰۰۲ء، باب ما لقی النبی ﷺ واصحابہ من المشرکین بمکۃ، حدیث نمبر:۳۸۵۶ ص:۹۴۳

7 جامع صحیح بخاری، باب ما لقی النبی ﷺ واصحابہ من المشرکین بمکۃ، حدیث نمبر:۳۸۵۴ ص:۹۴۲

8 ابن ہشام، عبد الملک ابن ہشام الحمیری، سیرت ابن ہشام، ت: عمر عبد السلام تدمری، ط: بیروت، دار الکتاب العربی، ج:۲ ص:۶۵

9 ابن قیم، شمس الدین محمد بن بکر الجوزیۃ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ط: المطبعۃ المصریۃ ۱۹۲۸ء ج:۲، ص:۴۶

10 صحیح بخاری، باب ما لقی النبی ﷺ واصحابہ من المشرکین بمکۃ، حدیث نمبر:۳۸۵۲، ص:۹۴۲

11 عثمانی، مفتی محمد تقی، آسان ترجمہ،ط: کراچی؛ مکتبہ معارف القرآن، سورۃ الانبیاء، آیات:۲۱، ۲۲

12 آسان ترجمہ، سورۃ العلق آیات:۱،۲

13 آسان ترجمہ قرآن، سورۃ القلم آیات:ا تا ۴

14 آسان ترجمہ قرآن، سورۃ القیامۃ آیات:۳۶ تا ۴۰

15 صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، حدیث نمبر:۳، ص:۸

16 صحیح بخاری، باب وانذر عشیرتک الاقربین، حدیث نمبر: ۴۷۷۰، ص:۱۱۹۶

17 الرحیق المختوم ص:۵۲

18 صحیح بخاری، باب جوار ابی بکر فی عہد النبی ﷺ وعقدہ، حدیث نمبر:۲۲۹۷، ص:۵۵۰

19 باری عزاسمہ کا ارشاد ہے: ”جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا، تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں“۔(آسان ترجمہ قرآن، سورہ آل عمران آیت نمبر:۸۵)

20 بے شک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے الگ راستہ لاعلمی میں نہیں بل کہ علم آجانے کے بعد محض آپس کی ضد کی وجہ سے اختیار کیا، اور جو شخص بھی اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے“۔(آسان ترجمہ قرآن، سورہ آل عمران آیت نمبر:۱۹)

21 اس حساسیت کے پیدا ہونے کے کئی ایک اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً کسی ادارے میں طلبا کے مابین مسلکی بنیاد پر تنازعات ہوتے رہتے ہوں، یا کسی تعلیمی ادارے کے ماحول میں مغربی تہذیب کے منفی پہلو کے زیر اثر دین بے زاری کی فضا ہو، یا کسی ادارے میں عقیدہ و نظریہ کی بنیاد پر کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آچکا

ہو (جیسا کہ مردان یونیورسٹی میں طالب علم مشعال خان کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ)، ایسے ماحول میں اگر عقائد و نظریات کی اصلاح کو باقاعدہ علانیہ طور پر موضوع بنایا جائے تو اس دعوت کے مثبت اثرات کی بجائے منفی نتائج پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

[22] جس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جبریل کے تشریف لانے کی وجہ صحابہ کرام کے سامنے یوں ارشاد فرمائی: جبریل کی یہ آمد اس وجہ سے تھی تا کہ وہ لوگوں کو ان کے دین کے بارے میں سکھائیں۔ (صحیح بخاری، باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان، والاسلام، والاحسان، رقم حدیث نمبر: ۵۰، ص: ۲۳)

[23] حوالہ سابقہ حدیث نمبر: ۵۰، ص: ۲۳

[24] اس بارے میں اس لونڈی والی حدیث سے استیناس کیا جا سکتا ہے جس میں آپ ﷺ نے جب لونڈی سے اللہ جل جلالہ کے وجود کے بارے میں سوال کیا تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا، اور جب اپنے بارے میں پوچھا تو جواب میں اس لونڈی نے آپ ﷺ کو "اللہ کا رسول" کہہ دیا، بس انہی دو سیدھے سوالات کے درست جوابات پر رسول اللہ ﷺ نے اس باندی کو مسلمان قرار دے دیا۔ (امام مسلم، ابوالحسین مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، ط: مدینہ منورہ، دار طیبہ، ت: نظر بن محمد الفریابی، ۲۰۰۶ء، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، حدیث نمبر، ۵۳۷، ص: ۲۴۲)

[25] ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، ت: محمد فؤاد عبد الباقی، ط: بیروت، دار احیاء الکتب العربیۃ، باب من الایمان، حدیث نمبر: ۶۱، ص: ۲۳

[26] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ امتہ الی توحید اللہ تبارک و تعالی، حدیث نمبر: ۷۳۷۱، ص: ۱۸۲۰

[27] ابو عبد اللہ، احمد بن حنبل، مسند احمد، ط: قاہرہ، مؤسسۃ قرطبۃ، حدیث نمبر: ۲۳۵۳۹، ج: ۵، ص: ۴۱۰

[28] اور بنیادی عقائد کا خاصہ یہ ہے کہ ان کے متعلق مشہور و معروف کلامی مسالک اور فقہی مکاتب فکر کا تقریبا اتفاق ہی رہا ہے۔ م۔ب۔ب

[29] امام ترمذی، ابو عیسی محمد بن سورۃ، الشمائل المحمدیہ، ط: بیروت، دار الحدیث، حدیث: ۲۲۴، ص: ۱۰۵

[30] الشمائل المحمدیہ، حدیث: ۲۲۵، ص: ۱۰۵

[31] مقدمہ صحیح مسلم، باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع، ص: ۶

[32] الشمائل المحمدیہ، حدیث: ۳۴۵، ص: ۱۷۰

[33] حوالہ سابقہ ص: ۱۷۱

[34] امام بخاری، الادب المفرد، ت: امام البانی، ط: بیروت، دار البشائر الاسلامیۃ ۱۹۸۹ء، باب الجلوس علی السریر، ج: ۱، ص: ۳۹۹

[35] سورۃ النحل آیت نمبر ۴۳

[36] آسان ترجمہ قرآن، سورۃ النحل آیات: ۴۳

[37] الادب المفرد، باب السرف فی المال، ج: ۱، ص: ۱۵۸

[38] امام ابن حجر، احمد بن علی بن محمد بن محمد عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ط: بیروت، دار الریان، المکتبۃ السلفیۃ، ج: ۱۰، ص: ۴۲۱

[39] خطیب بغدادی، ابو بکر محمد بن علی، الفقیہ والمتفقہ، ط: السعودیۃ، دار ابن الجوزی، باب فی السؤال والجواب وما یتعلق بہا، ج: ۱، ص: ۳۷۲

[40] آسان ترجمہ قرآن، سورۃ ہود آیات: ۸۸